روایاتِ فلسفہ

علی عباس جلالپوری

فہرست

1 پیش لفظ

2 مادیت پسندی

3 مثالیت پسندی

4 نو فلاطونیت

5 تجربیت اور متعلقہ تحریکیں

6 ارادیت

7 ارتقائیت

8 جدلی مادیت پسندی

9 موجودیت پسندی

"کسی شخص پر
اس سے بڑی اور کوئی مصیبت
نازل نہیں ہو سکتی
کہ وہ عقل و خرد کی مخالفت کرنے لگے"

(مکالمات افلاطون)

پیش لفظ

روایات فلسفہ ایک خاص مقصد کے تحت لکھی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ فلسفے کے مطالب کو عام فہم پیرائے میں پیش کیا جائے تاکہ ان سے وہ حضرات بھی متمتع ہو سکیں جنہیں فلسفے کے مطالعے کا موقع نہیں مل سکا - راقم نے اس کام کو سہل جانا تھا لیکن قلم ہاتھ میں لیتے ہی اسے محسوس ہونے لگا کہ فلسفے کو سلیس زبان میں لکھنا خاصا کٹھن ہے - اپنی اس مشکل پر غور کرتے ہوئے راقم کو ایک حکایت یاد آگئی۔

آدھیڑ عمر کے ایک یہودی ربّائی نے ایک نوجوان عورت سے نکاح کیا - اس کی پہلی سال خوردہ بیوی بھی موجود تھی - جب وہ نوجوان بیوی کے پاس جاتا تو وہ اس کی ڈاڑھی کے سفید بال نوچنا شروع کر دیتی تاکہ وہ جوان دکھائی دے اور جب وہ پہلی بیوی کے پاس بیٹھتا تو وہ اس کی ڈاڑھی کے سیاہ بال نوچنا شروع کرتی تاکہ وہ بڈھا دکھائی دے - راقم کو بھی کچھ اسی قسم کا اندیشہ لاحق ہے جو قارئین روایات فلسفہ کو آسان کتاب سمجھ کر پڑھیں گے ممکن ہے انہیں یہ شکایت ہو کہ بعض مقامات بدستور مشکل ہیں اور فلاسفہ کہیں گے کہ راقم نے فلسفے کو عامیانہ بنا دیا ہے کہ ان حضرات کے خیال میں وہ فلسفہ ہی کیا جو سلیس زبان میں لکھا جائے اور ان کے علاوہ کسی اور کی سمجھ میں بھی آ سکے - ہیگل نے کہا تھا ''میرا فلسفہ میرا صرف ایک ہی شاگرد روزن کرانز سمجھا ہے اور وہ بھی غلط سمجھا ہے'' - فلسفے کے مطالعے سے انسانی ذہن کی فکری قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور وہ ان سوالات پر غور کرنے لگتا ہے جو صبحِ تاریخ سے انسان کو پریشان کر

لب ہیں۔

[illegible] کائنات کی [illegible] کیا [illegible] انسان کا مقام کیا ہے؟ [illegible] کیا یہ کائنات [illegible] ہے؟ [illegible]

کیا اس کائنات کو انسان کی دلچسپی سے کوئی تعلق ہے؟ اور خواص میں کوئی مقصدیت ہے؟ اگر موجود ہے [illegible] کیا کائنات میں کوئی ذی شعور آفاقی قوت [illegible]

[illegible] ساری [illegible] میں کوئی ذی شعور [illegible] کائنات [illegible] اور اگر [illegible] میں [illegible] خالق کیا ہے؟ [illegible] خلقت [illegible] کائنات ازل سے موجود ہے یا اسے کسی [illegible]

کائنات ازل سے موجود ہے یا اسے کسی نے خلق کیا ہے؟ [illegible]

[illegible] زمان کی حرکت و گردش دولابی ہے یا [illegible]

[illegible] انجام [illegible] کیا کائنات کا آغاز [illegible] تھا اور اس کا [illegible]

[illegible] کیا کائنات کا آغاز ہوا تھا [illegible] موجود [illegible] اور ابد تک باقی رہے گی۔

ذہن [illegible] کیا [illegible] ذہن مادے کی پیداوار ہے یا مادے [illegible]

[illegible] تو یہ [illegible] انسان مجبور [illegible] ہے؟ اگر مجبور [illegible]

انسان مجبور ہے یا مختار ہے [illegible] ہے؟ [illegible]

[illegible] قدر و اختیار میں کیا فرق [illegible] اگر مختار ہے تو اس کے اور وحوش کے [illegible]

اگر [illegible] ہے تو اس کے [illegible] کے [illegible] و اختیار میں کیا فرق [illegible]

[illegible] تعلق ہے جو [illegible] روح کیا ہے؟ کیا روح کا جسم کے ساتھ [illegible]

[illegible] روح [illegible] کیا [illegible] روح کا جسم کے ساتھ [illegible] ہوا [illegible]

[illegible] موت [illegible] روح [illegible] جسم [illegible] داخل [illegible] اور [illegible]

روح [illegible] جسم [illegible] داخل [illegible] کے بعد [illegible] اور عالم [illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible] خیر کیا شے ہے؟ کیا خیر و شر کا مبداء [illegible]

ماحول کے اثرات کی پیداوار؟ کیا [illegible] خیر [illegible] انسان [illegible] میں [illegible] ہے یا [illegible]

[illegible] کی [illegible] انسان میں [illegible] ہے یا ماحول کے اثرات کی پیداوار ہے؟

حسن کیا ہے؟ حسن موضوع میں ہوتا ہے یا معروض میں؟

فرد اجتماع کے لیے ہے یا اجتماع فرد کے لیے ہے؟

کیا انسان کے تمام اعمال کا محرک حصول لذات کی خواہش ہے یا کیا وہ بلند تر نصب العینوں کی کشش بھی محسوس کرتا ہے؟

مسرت کیا ہے؟ مسرت کا سر چشمہ انسان کے اپنے بطون ہی میں ہے یا وہ دوسروں کو مسرت پہنچا کر اس سے بہرہ یاب ہو سکتا ہے؟

اخلاق قدریں کیا ہیں؟ کیا اخلاق مذہب کی ایک فرع ہے یا ایک مستقل شعبہ علم و عمل ہے۔

صداقت کیا ہے؟

یہ ہیں وہ مسائل جن کے تجزیے اور تحلیل میں نوع انسان کے بعض بہترین دماغوں کا زور صرف ہوا ہے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ بعض لوگ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور اپنے اعمال و عقاید کے محاسبے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ اپنے ذہن کے تمام دریچے، روزن اور دروازے اس مضبوطی سے بند کر لیتے ہیں کہ تازہ ہوا کے جھونکے اس میں بار نہیں پا سکتے اور در و دیوار کے ساتھ سر پٹک پٹک کر رہ جاتے ہیں۔ روایات فلسفہ اس توقع کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے کہ چند ایک روزن اور دریچے کھل جائیں گے اور چند ایک تازہ ہوا کے جھونکے بند کوٹھڑیوں میں بار پا سکیں گے۔ نئے نئے خیالات آدمی کے دل و دماغ میں ہلچل پیدا کرتے ہیں۔ نئے نئے خیالات کا نفوذ شدید ذہنی کرب کا باعث بھی ہوتا ہے لیکن دیانت اور جرأت سے کام لے کر ایسے نئے خیالات کو قبول کر لیا جائے جن کی صداقت آشکار ہو چکی ہے تو یہ کرب مسرت میں بدل جاتا ہے اور اس سے بڑی مسرت کا کم از کم راقم کو کوئی تجربہ نہیں ہے۔

علی عباس جلالپوری

مادیت پسندی

ہمارے زمانے کے ایک جرمن فلسفی ابو کن نے کہا ہے کہ مادیت پسند[1] کی اصطلاح تاریخ فلسفہ میں سب سے پہلے رابرٹ بوئل نے ۱۶۷۴ء میں وضع کی تھی لیکن مادیت پسندی کا انداز نظر اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود فلسفہ کہ فلسفے کا آغاز ہی مادیت پسندی سے ہوا تھا چنانچہ ابتدائی دور کے آئونی فلاسفہ کو[2] ہیولائی کہا گیا ہے جس کا لغوی معنیٰ مادیت پسند ہی کا ہے۔

آئونا ایشیائے کوچک میں بحیرۂ روم کے ساحل پر ایک شہری ریاست تھی جس کے شہریوں کو بابل اور مصر کے اہل علم سے ربط ضبط کے مواقع ملتے رہتے تھے اس زمانے میں مصر اور بابل سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے اور یونان کے طلبہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے ان ممالک کا سفر کیا کرتے تھے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں ان ممالک کے تمدن صدیوں کے عروج کے بعد رو بہ تنزل ہو رہے تھے لیکن اُن کے پروہتوں اور پجاریوں نے اپنے معبدوں میں علم و فن کی شمع روشن کر رکھی تھی۔ بابل کے صابئین اندھیری راتوں کو مندروں کے میناروں پر بیٹھ کر سیاروں کی گردش کا مشاہدہ کیا کرتے کیونکہ وہ انہیں اپنے دیوتا سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو اُن کے احوال سے باخبر رکھنا چاہتے تھے۔ ان مشاہدات سے انہوں نے علم ہیئت کے اصول مرتب کیے۔ اُن کی ہیئت آخر تک مذہب کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی اور اُس پر سحر و طلسم کے دبیز پردے پڑے رہے۔ بہرحال وہ سورج گرہن اور چاند گرہن کی صحیح پیش گوئیاں کرنے پر قادر تھے۔ ان پیش گوئیوں کا سب سے اہم مصرف اُن کے ہاں یہ تھا کہ عوام کو خوف زدہ کرکے اُن کے ذہن و قلب پر اپنا تسلط برقرار رکھا جائے۔ وہ جب اس قسم کی پیش گوئی کرتے تو اس کا مفہوم یہ لیا جاتا تھا کہ آفتاب دیوتا یا چاند دیوتا کو تاریکی کے عفریت نگلنے والے ہیں اور جب تک پروہت بعل مردوخ یا عشتار دیوی کی مناجات میں منتر نہیں پڑھیں گے دنیا سورج اور چاند کی روشنی سے محروم ہو جائے گی۔ اس طرح انہوں نے سائنس کو اپنی غرض برآری کا وسیلہ بنا رکھا تھا۔ تحقیق علوم پر پروہتوں کا یہ اجارا صدیوں تک برقرار رہا اور عوام اُن سے بہرہ یاب نہ ہو سکے۔ غالباً تاریخ تمدن کا سب

---

(۱) Materialist۔

(۲) Hylicist (لفظ ہیولیٰ یونانی الاصل ہے)۔

سے انقلاب آفریں واقعہ یہ ہے کہ شہر آئونا کے ایک شہری طالیس (۶۲۴ - ۵۵۰ ق - م) نے اس آہنی اجارا داری کو توڑا - سائنس معبدوں اور ہیکلوں کی چار دیواری سے نکل کر عوام کے مدرسوں تک پہنچی اور اس پر مذہب قدیم اور جادو کے اوہام و خرافات کے جو پردے پڑے ہوئے تھے دیکھتے دیکھتے اٹھ گئے - طالیس بابلیوں سے فیض یاب ہوا تھا۔ اُس نے سورج گرہن کی صحیح پیش گوئی کی اور اپنے طلبہ کو ہیئت کے اصول سکھائے - ہیرو ڈوٹس کہتا ہے کہ طالیس جسے فلسفے اور سائنس کا بانی کہا جاتا ہے فنیقی الاصل ایشیائی تھا اور اُس کا شمار عہد قدیم کے سات مانے ہوئے دانشمندوں میں ہوتا تھا - ایشیائیوں کی بدقسمتی سے ایرانیوں نے ایشیائے کوچک پر تاخت و تاراج کا آغاز کیا تو آئونا کے شہری خوف زدہ ہو کر یونان کے شہروں میں پناہ گزیں ہوئے اور اپنے ساتھ فلسفے اور سائنس کے اصولوں کو بھی لیتے گئے - اُن کی تدریس سے جس فلسفے نے جنم لیا بعد میں اُسے ''یونانی فلسفہ'' کا نام دیا گیا - بہرکیف جب سائنس مذہب اور جادو کے تصرّف سے آزاد ہوئی اور لوگوں نے مسائل فطرت پر آزادانہ غور و فکر کرنا شروع کیا تو سوال پیدا ہوا کہ جب کائنات کو بعل مردوخ یا آمن رع نے نہیں بنایا تو آخر یہ کیسے معرض وجود میں آ گئی اور اس کی اصل کیا ہے ؟ طالیس نے اس سوال کا جواب علم الاصنام کے فسانہ ہائے تکوین و تخلیق سے قطع نظر کرکے طبیعی زبان میں دیا اور کہا کہ کائنات پانی سے بنی ہے - طالیس کا یہ ''آبی فلسفہ'' اس لیے اہم نہیں ہے کہ پانی کو کائنات کی اصل قرار دے کر طالیس نے کوئی بڑا علمی کارنامہ انجام دیا تھا بلکہ اس لیے عہد آفریں سمجھا جاتا ہے کہ اُس نے تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ تکوین عالم کی خالصتاً تحقیقی و علمی توجیہہ کی۔ طالیس کی پیروی میں دوسرے اہل علم نے بھی تکوین عالم کے طبیعی اسباب کی جستجو کی - ریاست ملیٹس کے ایک شہری اناکسی مینڈر نے کہا کہ کائنات پانی سے نہیں بنی بلکہ یہ ایک لامحدود زندہ شے ہے - ابتداء میں حرکت کے باعث اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور کائنات کے مظاہر عالم وجود میں آئے - اناکسی مینڈر کو ڈارون کا پیش رو کہا جاتا ہے کیونکہ اُس نے ماحول سے موافقت اور بقائے اصلح کے ابتدائی تصورات پیش کیے تھے - وہ کہتا ہے :

''ذی حیات مخلوق نم آلود عنصر سے پیدا ہوئی جب کہ آفتاب نے اُسے بھاپ بنا کر اُڑا دیا تھا - ابتداء میں انسان بھی دوسرے جانوروں کی طرح تھا یعنی مچھلی کی صورت میں - ابتدائی حیوانات نمی سے پیدا ہوئے - ان کی جلد خاردار تھی - بعد میں زیادہ خشک جگہوں پر جا پہنچے -''

اناکسی مینڈر انسان کے حیوان سے ارتقاء پذیر ہونے کی ایک دلیل یہ دیتا ہے کہ انسان کا بچہ دوسرے حیوانات کی طرح پیدا ہوتے ہی اپنی خوراک تلاش نہیں کر سکتا اور اُس کا دودھ پینے کا عرصہ زیادہ طویل ہوتا ہے - اگر وہ شروع ہی سے ایسا ہوتا

---

(۱) سٹیس - فلسفۂ یونان کی تنقیدی تاریخ -

تو کبھی زندہ نہ رہ سکتا۔ اس لیے وہ حیوان ہی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اناکسی مینڈر کی یہ اولیت بھی ہے کہ سب سے پہلے اس نے فلسفہ نثر میں لکھا تھا۔ ایک اور مفکر اناکسی منیس نے طالیس اور اناکسی مینڈر سے اتفاق کیا کہ کائنات کا اصل اصول مادی ہے لیکن اس نے کہا کہ یہ اصول اول ہوا ہے اور زمین ہوا کی طشتری پر تیر رہی ہے۔

ابتدائی دور کے فلاسفہ میں ہیریقلیتس (۴۷۵ - ۵۳۵ ق - م) خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ کائنات آگ سے بنی ہے۔ کہتا ہے :

''یہ عالم ہر ایک کے لیے ایک جیسا ہے۔ اسے کسی دیوتا یا انسان نے نہیں بنایا۔ یہ ہمیشہ سے ہے اور ابدی آتش کی صورت میں ہمیشہ رہے گا۔ اس کے بعض حصے روشن ہوتے رہتے ہیں اور بعض بجھتے رہتے ہیں۔

ہیریقلیتس نے ازلی و ابدی آتش کو جسے وہ بعض اوقات سانس کہہ کر پکارتا ہے روح کا جوہر قرار دیا ہے۔ اس کے خیال میں روح آتش اور آب سے مرکب ہے۔ آتش ارفع ہے اور آب اسفل ہے۔ وہ عقل اور حواس میں تمیز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ صرف عقل سے تکوین عالم کے قانون معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ایک آفاقی ذہن جس سے مراد وہ آتش ہی لیتا ہے تمام کائنات پر متصرف ہے۔ ہیریقلیتس مسلسل تغیر کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ دنیا کی ہر شے ہر وقت تغیر پذیر ہے ہیریقلیتس کے اقوال بھی اس کی دانشمندی پر دلالت کرتے ہیں۔

''تم ایک ہی دریا میں دو دفعہ قدم نہیں رکھ سکتے کہ ہر لمحہ نیا پانی آتا رہتا ہے'' :

''ہر روز ایک نیا سورج طلوع ہوتا ہے۔

''ہم ہیں اور نہیں ہیں۔''

الیاطی فلاسفہ زینو اور پارمی نائدیس جن کا ذکر تفصیل سے مثالیت کے ضمن میں آئے گا کہتے تھے کہ صرف وجود حقیقی ہے اور وہ ثابت ہے۔ تغیر و تبدل محض نگاہ کا فریب ہے۔ ہیریقلیتس یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ تغیر و تبدل حقیقی ہے وجود و ثبات فریب نظر ہے۔ ہر شے ہر وقت تغیر پذیر ہو رہی ہے۔ اس کا ایک اور معرکہ آراء نظریہ یہ تھا کہ ہر شے اپنے بطون میں اپنی ضد رکھتی ہے۔ اضداد کی پیکار اور آویزش میں حرکت اور زندگی کا راز مخفی ہے۔ یہ پیکار نہ ہو تو عالم میں کسی شے کا وجود نہ ہو۔ اسی بنا پر اس نے جنگ کی تعریف کی ہے اور کہا ہے ''جنگ ہر شے کی خالق ہے اور ہر شے پر مسلط ہے۔''

تغیر و تبدل کو حقیقی سمجھنے اور اضداد کی پیکار کے یہ تصورات ہیگل کے واسطے سے فلسفۂ جدلی مادیت کے اساسی افکار بن چکے ہیں۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ ہیریقلیتس کا ایک اور اہم عقیدہ یہ تھا کہ واقعات ہی کائنات کے اساسی اصول ہیں اور ہر واقعہ گریزاں اور وقتی ہوتا ہے۔ بقول برٹرنڈ رسل جدید طبیعیات نے ہیریقلیتس کے اس خیال کی تصدیق کی ہے۔ ہیریقلیتس حریتِ فکر اور آزادیٔ رائے

کا علم بردار تھا ۔ اس کا قول ہے :

''عوام کو اپنے قوانین کی حفاظت کے لیے اتنی ہی تن دہی سے لڑنا چاہیے جتنا کہ شہر پناہ کی حفاظت کے لیے ۔''

اس کی نفسیاتی بصیرت کا اندازہ اس قول سے ہوتا ہے :

''انسان کا کردار ہی اس کا مقدّر ہے ۔''

اس فکر انگیز مقولے پر جتنا غور کیا جائے اس کی صداقت کے اتنے ہی زیادہ عجیب و غریب پہلو منکشف ہوتے ہیں ۔ زینوفینس نے جسے الیاطی فلسفے کا بانی کہا جاتا ہے دیوتاؤں کے تصور کی تردید کی اور کہا کہ خدا انسانی اوصاف سے عاری ہے ۔ وہ خدا اور عالم کو ایک ہی سمجھتا ہے اور کہتا ہے '' عالم ہی خدا ہے ۔'' یہ تصور وحدتِ وجود کا ہے جسے الیاطی فلسفے کا اصل اصول سمجھا جاتا ہے ۔

ایمپے دکلیس (۴۳۵ - ۴۹۵ء ق ۔م) نے عناصرِ اربعہ کا نظریہ پیش کیا ۔ اس نے طالیس ' اناکسی مینس ' ہیریقلیتس اور زینوفینس کے نظریات کا امتزاج پیش کیا اور کہا کہ عالم آگ ' ہوا ' مٹی اور پانی سے بنا ہے ۔ وہ مادے کو ازلی و ابدی اور غیر مخلوق مانتا ہے ۔ عناصرِ اربعہ کی ترکیب بعد میں وضع کی گئی تھی ۔ ایمپے دکلیس انہیں ''اصولِ اول'' کہتا تھا ۔ ایمپے دکلیس کا عقیدہ ہے کہ انہی چار عناصر کی ترکیب و انتشار سے اشیاء معرضِ وجود میں آتی ہیں اور فنا پذیر ہوتی ہیں ۔ اس کے خیال میں محبت اور نفرت یا تو افق و انتشار کے باعث اشیاء میں حرکت پیدا ہوتی ہے ۔ وہ قدماء یونان کی طرح زمانے کی گردش کو دو لا بی مانتا ہے اور کہتا ہے کہ عالم کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ کوئی انجام ہوگا ۔ وہ فیثاغورس کی طرح تناسخ ارواح کا بھی قائل ہے ۔ اس کے خیال میں انسانی روحیں چولا بدل بدل کر حیوانات اور درختوں کے قالب میں چلی جاتی ہیں ۔ اس نے سورج گرہن اور چاند گرہن کی علمی توجیہہ کی اور کہا کہ چاند سورج کی منعکس روشنی سے دمکتا ہے اور سورج گرہن چاند کے درمیان میں حائل ہونے سے لگتا ہے ۔

اس عہد کے ایک اور مشہور فلسفی اناکسا غورث نے کہا کہ ایک آفاقی ذہن جسے وہ ''نوس'' کا نام دیتا تھا کائنات میں حرکت پیدا کرتا ہے ۔ ارسطو کے خیال میں یہ ''نوس'' غیر مادی ہے ۔ زیلر اور ارڈمان اس سے اتفاق کرتے ہیں لیکن گروٹ اور برنٹ کہتے ہیں کہ یہ ''نوس'' مادی اور طبیعی قوت ہے ۔ آئونی فلاسفہ کی مادیت کی روایت جس کا آغاز طالیس سے ہوا تھا لیوکپس اور دیما قریطس کے فلسفے میں نقطۂ عروج کو پہنچ گئی ۔ ان فلاسفہ نے ایک یا متعدد دیوتاؤں کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ ان عقاید نے انسان پر دہشت طاری کر رکھی ہے ۔ دیما قریطس ابتدائی دور کے طبیعی فلاسفہ کی طرح عقلیت پسند ہے اور کہتا ہے کہ روح اور عقل ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شے کے دو نام ہیں ۔ اسی طرح اس نے روح کے وجود اور حیاتِ بعد موت کے تصور سے انکار کیا ۔ تکوینِ کائنات کا ذکر کرتے ہوئے اس نے کہا کہ کائنات سراسر مادی ہے ۔ اس کے خیال میں مادی

حقیقتیں دو ہیں ایٹم (عربوں نے اس کا ترجمہ اجزائے لایتجزّی سے کیا یعنی ایسے اجزاء جن کی مزید تقسیم ممکن نہ ہو سکے) اور خلائے مکانی ۔ وہ کہتا ہے کہ عالم میں کہیں بھی کسی ماورائی ذہن یا عقل کا وجود نہیں ہے ۔ تمام فطری مظاہر پر اندھے میکانکی قوانین متصرّف ہیں ۔ دیماقریطس پورا پورا مادیت پسند ہے ۔ اس کے خیال میں انسان بھی اسی طرح ایٹموں سے مرکب ہے جیسے کہ کوئی درخت یا کوئی ستارہ یا کوئی بھی دوسری شے ایٹموں سے بنی ہے ۔ انسانی روح بھی ایٹموں سے مرکب ہے جنہیں انسان سانس کے ساتھ باہر نکالتا اور اندر کھینچتا رہتا ہے ۔ جب یہ عمل ختم ہو جاتا ہے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے اور روح کے ایٹم منتشر ہو جاتے ہیں ۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی فکر ایک طبیعی فعل ہے اور کائنات میں کسی قسم کا کوئی مقصد یا غایت نہیں ہے ۔ اس میں صرف ایٹم ہیں جو میکانکی قوانین کے تحت مرکب یا منتشر ہوتے ہیں ۔ لاک کی طرح دیماقریطس کا بھی یہ خیال ہے کہ گرمی، ذائقہ، رنگ وغیرہ کسی شے میں نہیں ہوتے بلکہ خود ہمارے حسی اعضاء کے باعث موجود ہیں ۔ اشیاء میں حجم، صلابت اور وزن ہوتا ہے ۔

دیماقریطس مذہب کا مخالف تھا اور مسرت کے حصول کو زندگی کا واحد مقصد سمجھتا تھا ۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مسرت میانہ روی اور تہذیبِ نفس سے میسر آتی ہے ۔ وہ جذباتی ہیجان اور جوش و خروش کو ناپسند کرتا تھا اور عورت کو بھی اسی لیے حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا کہ اس کے جذبات اس کے شعور پر غالب ہوتے ہیں ۔ اس کا قول ہے :

''مسرت خارجی اسباب اور ساز و سامان سے حاصل نہیں ہوتی ۔ اس کا سرچشمہ خود انسان کے اپنے بطون میں ہے ۔''

سیاسیات میں وہ جمہوریت اور مساوات کا قائل تھا ۔ کہتا ہے :

''ایک دانشمند اور نیک شخص کے لیے تمام دنیا اس کا مادر وطن ہے ۔''

دیماقریطس فلاسفۂ یونان کے اس طبقے کا آخری فرد تھا جس نے مردانہ وار عالم کی کنہ کو سمجھنے کی کوشش کی اور جو رفعتِ تخیل اور قوتِ فکر دونوں سے بہرہ ور تھا اور مہم جوئی اور تجسّس کے جذبے سے سرشار تھا ۔ یہ فلاسفہ ہر شے میں گہری دلچسپی لیتے تھے ۔ شہابِ ثاقب، سورج گرہن، مچھلیاں، گرد باد ۔ مذہب اور اخلاق وغیرہ پر یکساں انہماک سے غور و فکر کرتے تھے ۔ زندگی سے متعلق ان کا نقطۂ نظر رجائی تھا ۔ ان کے بعد فلاسفۂ یونان تنزّلِ فکر کے شکار ہو گئے ۔ سوفسطائیوں کے ساتھ تشکک کا دور دورہ ہوا پھر سقراط نے اپنی تمام تر جستجو کو انسان اور اخلاقیات تک محدود کر دیا ۔ افلاطون نے عالم حواس کو رد کر کے خالص بسیط افکار کی اپنی دنیا الگ تعمیر کی ۔ ارسطو نے مقصد اور غایت کو سائنس کا اساسی اصول قرار دے کر علمی تحقیق کو ضرر پہنچایا ۔ افلاطون اور ارسطو بلاشبہ عظیم فلاسفہ تھے لیکن ان کے نظریات کی مقبولیت سے سائنس کی ترقی رک گئی ۔ صدیوں تک فکری جمود کی کیفیت مغرب پر طاری رہی ۔ احیاء العلوم کے دور میں ان فلاسفہ کا ذہنی تسلط ٹوٹا

اور مغرب میں اس آزادانہ اور بے باک تفکر اور سائنٹفک نقطۂ نظر کا آغاز ہوا جو سوفسطائیوں سے پہلے کے یونانی فلاسفہ کا طرۂ امتیاز تھا۔ بہرصورت ماقبل سقراط فلاسفۂ مادیت نے جو اصول مرتب کیے تھے وہ بعد کے مادیت پسندوں نے اپنائے اور ان کی مزید تشریح کی۔

یہ اصول درج ذیل ہیں:

(۱) مادہ وہ ہے جو مکان میں پھیلا ہوا ہے۔
(۲) مادہ ازلی اور غیر فانی ہے۔
(۳) مادے میں حرکت کی صلاحیت موجود ہے۔
(۴) تمام حرکت مقررہ قوانین کے تحت ہو رہی ہے۔
(۵) شعور اور ذہن بھی دوسری اشیاء کی طرح ایٹموں سے مرکب ہیں۔
(۶) فطرت (نیچر) میں کوئی واردات بغیر سبب کے نہیں ہوتی۔
(۷) عالم میں کوئی ذہن یا شعور کارفرما نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس پر کوئی یزدانی قوت متصرّف نہیں ہے۔
(۸) عالم میں کوئی مقصد و غایت نہیں ہے۔

سقراط سے پہلے کے فلاسفہ نے کائنات کے مشاہدے اور آفاق مسائل کی تحقیق پر زور دیا تھا۔ سوفسطائیوں نے انسان اور اس کے مسائل کو تحقیقِ علمی کا موضوع قرار دیا سقراط نے سوفسطائیوں کے تشکک کے خلاف کمرِ ہمت باندھی تھی۔ وہ بڑی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا لیکن ایک پہلو سے وہ خود بھی سوفسطائی تھا۔ یعنی اس نے بھی انہی کی طرح انسان اور اخلاقیات کو موضوعِ فکر قرار دیا۔ افلاطون اور ارسطو نے اس کی پیروی کی۔ نتیجۃً علم ہیئت کو پسِ پشت ڈال دیا گیا اور انہی علوم کی تدوین عمل میں آئی جن کا تعلق براہ راست ذات انسانی سے تھا۔ چنانچہ افلاطون اور ارسطو نے سیاسیات، منطق، خطابت، جمالیات کے علوم مرتب کیے ان کی مابعد الطبیعیات بھی جس کا مقصد حقیقت اولیٰ کی تلاش تھا منطقی اصولوں ہی پر مدوّن کی گئی۔ اس کے ساتھ سائنس میں مشاہدے اور تجربے سے کام لینے کی بجائے اسے منطق کے تحت کر دیا گیا۔ لارڈ برٹرنڈرسل[1] نے اس دور کے یونانیوں کے متعلق کہا ہے کہ ان کا ذہن و فکر قیاسی تھا۔ استقرائی نہیں تھا۔ افلاطون نے عالمِ مادی کو غیر حقیقی قرار دیا اس لیے مشاہدۂ عالم سے قطعِ نظر کر لی گئی۔ ارسطو نے ہئیت اور مادے کی دوئی میں ایک حد تک قدماء کی مادیت پسندی کو برقرار رکھا اور کہا کہ ہئیت اور مادہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے لیکن وہ بھی اپنے استاد کی طرح امثال ہی کو حقیقی سمجھتا تھا۔ اس کی حقیقت پسندی نے کسی مشاہدے پر بھی آمادہ کیا جس سے اس نے علم الحیوان میں کام لیا ارسطو کے بعد یونانی ریاستوں کے سیاسی تنزل کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ سیاسی تنزل ہمیشہ ذہنی،

---

(۱) تاریخ فلسفۂ مغرب۔

اخلاق اور معاشرتی تنزّل کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے چنانچہ ارسطو کے بعد آنے والے فلاسفہ کی لذتیت ' کلبیّت اور قنوطیت میں اس ہمہ گیر زوال پذیری کی جھلک دکھائی دیتی ہے ۔ رومیوں کی بڑھتی ہوئی عسکری طاقت نے یونانی ریاستوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا ۔ اس کے بعد بھی بلاشبہ صدیوں تک افلاطون اور ارسطو کے قائم کیے ہوئے مدرسوں میں فلسفے کی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا لیکن حریّت فکر کا خاتمہ ہو چکا تھا ۔ ان کے متبعین منطقی موشگافیوں اور اشراق کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے ۔

رومی نظم مملکت اور فوج کشی کا سلیقہ رکھتے تھے لیکن علوم و فنون سے انہیں واجبی ہی سی دلچسپی تھی ۔ اُن کے مدارس میں فلسفے کی جو تعلیم دی جاتی تھی وہ بھی یونانی غلاموں کے سپرد تھی ۔ یونانی فلسفے کے دو مکاتب نے رومیوں کو متاثر کیا ۔ لذتیت اور کلبیت ' لذتیت نے ایپکورس کو متاثر کیا اور کلبیت کو رواقیین نے اپنا کر اُس کے تصورات میں توسیع کی ۔ رفتہ رفتہ رواقیّت رومتہ الکبریٰ کے خرد پسند طبقے کا محبوب فلسفہ بن گئی ۔

رواقیت کا بانی زینو قبرص کا رہنے والا فنیقی تھا ۔ وہ ایک منقش طاق کے نیچے بیٹھ کر درس دیا کرتا تھا اس لیے اُس کے فلسفے کا نام ہی رواقیّت پڑ گیا ۔ رواقیّت دراصل ایک نظام اخلاق ہے ۔ رواقیین کی مادیت پسندی اُن کی طبیعیات کا حاصل ہے ۔ اُن کی طبیعیات کا اصل اصول یہ تھا کہ کوئی غیر مادی شے موجود ہی نہیں ہو سکتی ۔ اُن کے خیال میں علم صرف جسمانی حواس سے حاصل ہو سکتا ہے اس لیے حقیقت وہی ہے جسے حواس جان سکیں ۔ یہ حقیقت مادہ ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ روح اور خدا بھی مادی ہیں ۔ اس مادیت پر انہوں نے وحدتِ وجود کا پیوند لگایا اور کہا کہ خدا روحِ عالم ہے اور مادی عالم خدا کا جسم ہے روح عالم کو وہ ہیریقلیتس کی طرح آتشی سمجھتے تھے ۔ انسانی روح کو بھی آتشی جانتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بھی یزدانی آتش ہی کا حصہ ہے ۔ جس طرح روح جسم میں سرایت کیے ہوئے ہے اسی طرح آفاق آتش یا خدا کائنات میں طاری و ساری ہے ۔ وہ خدا کو عقل مطلق بھی کہتے تھے لیکن روح کی طرح اس عقل کو بھی مادی سمجھتے تھے ۔ ان کی تعلیم یہ تھی کہ کائنات میں ہر کہیں تناسب و توافق موجود ہے ۔ اُن کا استدلال یہ تھا کہ خدا عقلِ مطلق ہے اور یہ عقل آفاق قانون ہے اس لیے عالم پر آفاق قانون متصرّف ہے ۔ تمام کائنات سلسلہ' سبب و مسبب میں جکڑی ہوئی ہے اور انسان مجبورِ محض ہے ۔ وہ زمانے کی گردش کو دو لابی اور وقت کو غیر حقیقی مانتے تھے ۔ اُن کے وحدتِ وجود کے تصور میں قدماء کا یہ عقیدہ کار فرما تھا کہ کوئی شے عدم سے وجود میں نہیں آ سکتی ظاہر ہے کہ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کوئی شے عدم سے وجود میں نہیں آ سکتی تو اس بات سے انکار کرنا پڑے گا کہ کائنات کو کسی شخصی خدا نے بنایا ہے یا خدا کے علاوہ کسی اور مخلوق کا وجود بھی ممکن ہو سکتا ہے اس لیے ساری کائنات کو ہی خدا کہنا پڑے گا ۔ یہ نظریہ رواقی

مذہب کے عقیدۂ ذات باری کے منافی ہے ۔ اسی لیے شوپنہائر نے کہا ہے کہ ''وحدت وجود شائستہ قسم کا الحاد ہے ۔'' کیوں کہ اس سے شخصی خالق کا انکار لازم آتا ہے ۔ اخلاق میں رواقیئین ضبطِ نفس پر زور دیتے تھے ۔ اُن کا خیال تھا کہ انسان اپنے جذبات پر عقل و خرد کا محکم تصرف قائم کر کے ہی انسان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے ۔ شہنشاہ مارکس آریلیس سینیکا اور ایک ٹیٹس کے اقوال میں رواقیئین کے اخلاق و کردار کے بہترین نمونے ملتے ہیں ۔

رواقیئین تمام کائنات کو خدا مانتے تھے بہرحال لفظ خدا کے استعمال سے اُن کا ربط و تعلق کچھ نہ کچھ مذہب سے باقی و برقرار رہتا تھا ۔ اپیکورس اور لکریشیس نے اس برائے نام رابطے کو بھی خاتمہ کر دیا ۔ اپیکورس نے حظ و مسّرت کا فلسفہ پیش کیا ۔ اُس کے خیال میں فلسفے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو توہمات اور خشیات سے نجات دلائی جائے ۔ وہ کہتا تھا کہ دیوتا اور دوسری مافوق الفطرت ہستیاں انسانی دہشت کی پیداوار ہیں ۔ دہشت اور تشویش نے انسانی مسرت کا خاتمہ کر دیا ہے ۔ اس نے کہا '' دہشت کو دل سے نکال پھینکو اور تمہیں مسرت مل جائے گی '' ۔ دہشت سے نجات پانے کے لیے اس نے کہا کہ عالمِ مادی سراسر میکانکی ہے جس میں قدرتی اسباب کی کار فرمائی ہے ۔ اس کی طبیعیات دیمقریطس سے ماخوذ ہے لیکن اس میں اُس نے بقدر ضرورت کچھ تصّرف بھی کیا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء ایٹموں سے بنی ہیں ۔ یہ ایٹم صورت اور وزن میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں البتہ ان کی نوعیت اصلاً ایک ہی ہے ۔ ایٹم ازل سے خلائے مکانی میں گر رہے ہیں ۔ انہیں قدر و اختیار حاصل ہے اس لیے یہ عموداً نہیں گرتے بلکہ ادھر اُدھر بھٹک جاتے ہیں اور آپس میں متصادم بھی ہوتے ہیں ۔ یہ قدر و اختیار اپیکورس کی اپنی اختراع ہے ۔ دیمقریطس کے نظریے میں اس کا کوئی کھوج نہیں ملتا ۔ اپیکورس نے ایٹموں میں وزن کا اضافہ اپنی طرف سے کیا ہے ۔ ایٹموں کو قدر و اختیار عطا کرنے سے اپیکورس کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو بھی فاعلِ مختار تسلیم کیا جائے کیونکہ جب ایٹم کی حرکت آزادانہ ہوگی تو انسان کو بھی جبریّت سے آزاد سمجھنا پڑے گا ۔ دیمقریطس کی پیروی میں اپیکورس بھی کہتا ہے کہ روح ایٹموں سے مرکب ہے جو موت کے بعد بکھر جاتے ہیں لہذا حیات بعد موت کا خیال محض اہلِ مذہب کا واہمہ ہے ۔ اپیکورس کے خیال میں حیات بعد موت سے انکار کیا جائے تو انسان کو موت کی دہشت سے نجات مل جاتی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ موت کو بُرا مت کہو ۔ یہ برائی نہیں ہے نہ اس سے خوف کھانا قرینِ دانش ہے کیوں کہ اُس کے الفاظ میں '' جب موت ہو تم نہیں ہوتے اور جب تم ہو موت نہیں ہوتی'' ۔ موت کرب ناک نہیں ہوتی اس لیے اس سے ڈرنا حماقت ہے ۔ اس کے خیال میں دیوتاؤں کے خوف اور حیات بعدِ موت کے عقیدے سے نجات پا کر ہی انسان سکون اور مسرت کی زندگی بسر کر سکتا ہے ۔ حیات بعدِ موت کا ذکر کرتے ہوئے اُس نے کہا تھا '' ایک احمق جو اس دنیا سے پورا پورا بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا وہ آخرت سے کیا حاصل

کرے گا۔" اپیکورس نے اخلاق میں میانہ روی کی دعوت دی ہے۔

اس زمانے کا دوسرا مشہور مادیت پسند لکریشیس ہے جس کی فسفیانہ نظم "اشیاء کی ماہیت پر" مشہور ہے۔ یہ نظم صدیوں تک گوشہ گمنامی میں پڑی رہی ۱۴۱۸ء میں پوگیو نے اسے کہیں سے ڈھونڈ نکالا اور شائع کر دیا۔ والٹیر نے اس نظم کو غیر فانی قرار دیا ہے۔ اس میں لکریشیس نے تفصیل سے اپنے عقاید بیان کیے ہیں۔ اپیکورس کی طرح وہ بھی مذہب کو دہشت۔ غم زدگی اور ظلم و تشدد کا سرچشمہ خیال کرتا ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے "مذہب نے انسان سے بڑی بڑی مفاکیوں کا ارتکاب کرایا ہے۔" جو لوگ فلسفہ و دانش کی تحصیل کی بجائے مذہبی رسوم کی ادائیگی کو ضروری سمجھتے ہیں انہیں مخاطب کر کے کہتا ہے:

"بد بختو! مذہب نے تمہیں کیسے کیسے چرکے لگائے ہیں۔ ہمارے بچوں پر کیسے کیسے ظلم کرائے ہیں۔ نیکی یہ نہیں ہے کہ تم پتھر کی قربان گاہوں پر سر جھکاؤ یا سجدے کرو۔ نیکی مذبحوں پر قربانی کا خون چھڑکنے میں بھی نہیں ہے بلکہ آسودہ اور مطمئن ذہن سے نیکی حاصل ہوتی ہے۔"

لکریشیس کا عقیدہ ہے کہ کائنات مادی سے ماوراء کوئی ہستی نہیں ہے کوئی قانون نہیں ہے۔ کائنات کے سب قوانین خود اس کے بطون میں موجود ہیں جسے خدا کہا جاتا ہے وہ آفاقی قانون ہی کا دوسرا نام ہے۔ سچی عبادت یہ ہے کہ اس قانون کو ذہن نشین کر لیا جائے۔ انسان کی دہشت اور غم ناکی فطرت کے قوانین کو سمجھ لینے سے دور ہو جاتی ہے۔ زندگی چند دن کی فرصت کا نام ہے اور حیات بعد موت محض ایک افسانہ ہے۔ اس دنیا میں جہالت، جذباتی جنون، حرص اور جنگ و جدال سے جو دکھ درد ہوتا ہے وہی جہنم ہے۔ دانشمندوں کے لیے یہی دنیا بہشت بن جاتی ہے۔ مرنے والے دانش کی مشعل زندوں کے ہاتھوں میں دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ لکریشیس کی اس نظم میں دیما قریطس کی مادیت اور اپیکورس کی اخلاقیات کا امتزاج عمل میں آیا ہے۔

جب شمال مشرق کی وحشی اقوام گال، ونیڈل، گاتھوں اور ہنوں کی بے پناہ یورش سے رومیوں کی قبائے سطوت تار تار ہوگئی تو روما الکبریٰ کی شان و شوکت بازنطین میں محدود ہو کر رہ گئی۔ شہنشاہ قسطنطین نے عیسائی مذہب کی اشاعت بزورِ شمشیر کی اور وقت کے گزرنے کے ساتھ مغربی اقوام پر ہر کہیں کلیسائے روم کا تسلط قائم ہوگیا۔ اس انقلاب ذکر کرتے ہوئے گبن اپنی کتاب "زوال و ہبوطِ روما" میں لکھتا ہے عیسائیت کی ہمہ گیر اشاعت سے مغرب پر عہدِ جاہلیت کی تاریکیاں چھا گئیں۔ کم و بیش آٹھ صدیوں تک ان تاریکیوں کے کہرے ہر کہیں محیط رہے۔ مغرب کی وحشی اقوام نے شارلیمان کی کوششوں سے عیسائیت قبول تو کر لی تھی لیکن اس سے ان کی خلقی وحشت و بربریت پر کوئی صالح اثر نہیں پڑا۔ علم کی تحصیل راہبوں اور پادریوں تک محدود رہی۔ یہ لوگ بھی تحقیق علمی کی بجائے اولیاء و اصفیاء کے فسانہ ہائے کرامات قلمبند کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ جو شخص علم و فنون